منیبہ زہرا نقوی
پی ایچ ڈی اسکالر
شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

”گلافتاب“ کے لسانی تجربات کا جائزہ

The article under consideration is a humble attempt to explore the linguistic experiments performed by Zafar Iqbal in his collection "Gulaaftab". Apparently he has distorted the conventional style by doing amendments and innovations in grammar and language and by introducing a self-coined diction, but it is an undeniable fact that he has unified the words, similes and allusions from different languages and has created a cultural harmony. However, "Gulaaftab" has not only complicated the verse pattern but has also broadened the horizon of poetry by exploring new dimensions.

ظفر اقبال کی لسانی تشکیلات اور لسانی تجربات یوں تو اُن کی شاعری میں کسی نہ کسی پیرایے اور کسی نہ کسی رنگ و آہنگ میں دکھائی دیتے اور محسوس کیے جاسکتے ہیں لیکن ”گلافتاب“ کے شعری مجموعے نے اپنے عنوان کے ساتھ ساتھ غزل کے لیے نئی لفظیات کی تشکیل اور معنویت کے نئے تجربے سے روشناس کرواتے ہوئے (۱۹۶۰ء میں لسانی تجربات و تشکیلات کی جس بحث کا آغاز ہوا تھا) اُسے شعری پیکر میں ڈھال کر اردو غزل کی تشکیل جدید کرتے ہوئے

کوئی اور ہی دوپہر گرم ہے

کے مصداق ایک نیارنگ تغزل متعارف کروایا ظفر اقبال نے ”گلافتاب“ کے شعری تجربات کی بابت برملا اظہار کیا کہ یہ تازہ خون اردو زبان کی موجودہ تھکن اور پھر مردگی دور کرنے کے لیے ضروری تھا اور کھلی شیز کا یہ پہاڑ کاٹنے کے لیے جہاں میں نے لفظوں کو نئے جوڑ توڑ سے روشناس کیا ہے، وہاں کسی قدر توڑ پھوڑ بھی روا رکھی ہے (۱) ظفر اقبال نے نئے اسلوب کی بدولت جہاں اردو زبان کی تھکن اور پھر مردگی کا ازالہ کرتے ہوئے لفظوں کے نئے جوڑ متعارف کروائے ہیں وہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس ڈسٹورشن سے لفظوں کی شخصیت اندر سے بھی بدلی ہے، نئی ساز باز سے لفظوں کے مابین نئے رشتے استوار ہوئے ہیں اور ابلاغ کی نئی سطحیں دریافت ہوئی ہیں۔ (۲)

”گلافتاب“ نے شعر کے مطالعے میں وسعت پیدا کرتے ہوئے محسوسات کے نئے انداز اور نئے ذائقوں کی تصویر کشی کی ہے اور ایک نئے تصور خیال کی بدولت نئی دنیا اور خیال کا نیا وجود ہمیں اپنی آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ ”گلافتاب“ کی بدولت غزل عہد جدید کے تقاضوں سے آنکھ ملا سکتی تھی۔ گلافتاب دراصل غزل کی ماہیت اور قالب میں تبدیلی نہیں تھی انقلاب تھا اور انقلاب بغیر رو رعایت کے اور توڑ پھوڑ اور شکستن دیوار دور کے نہیں آتا۔ (۳)

ظفر اقبال نے گلافتاب کے پہلے ایڈیشن میں زبان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا، وہ سمجھتے ہیں کہ دراصل وہ لوگوں کو صدمہ دے کر چھوڑنا چاہتے تھے۔ انہیں اس بات کا بخوبی احساس ہے کہ انہوں نے بعض مقامات پر شعری حوالے سے حد سے تجاوز بھی کیا ہے، لیکن اُسے وہ ایک نفسیاتی مقصد سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”اگلے کو موت دکھاؤ تو وہ زحمت قبول کرے گا۔ (۴)

دراصل لفظ و معنی کی اس تشکیل اور تجربات و تھکلیات کے اس پیرایے سے ظفر اقبال نے لفظ کے غیر معمولی استعمال کا راستہ دکھایا، زبان کو زندہ اور متحرک سمجھتے ہوئے اسے بے جا پابندیوں سے نجات دلانے کی کوشش کی، اضافت اور گرامر کے مروجہ طریقے بدل کر اس گھٹن کو ختم کیا اور ہیکچو ایشن یکسراڑادی ہے کہ معانی کو محدود اور پابند کرتی ہے (۵) ”گلافتاب“ کے پہلے ایڈیشن کے بعد ظفر اقبال نے یہ مناسب جانا ہے کہ لسانی جکڑ بند کو ڈھیلا کر دیا جائے کیونکہ لسانی تھکلیات اور تجربات کے حوالے سے وہ جن مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مقاصد پورے ہو چکے تھے۔

”گلافتاب“ کے شعری تجربات پر بحث سے پہلے ذہن میں یہ بات پہلچ مچاتی ہے کہ ظفر اقبال نے اپنے شعری مجموعے کا یہ عنوان جو منتخب کیا ہے تو یقیناً یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ یقیناً اس کی کوئی توجیہ ضرور ہے۔ اس حوالے سے ظفر اقبال کی وضاحت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے:

”فارسی میں لفظ کی اضافت ختم کرنے کے لیے اس کی ترتیب بدل دیتے ہیں مثلاً ”خانہ نے“ کو ”خانہ اور ”دستہ گل“ کو ”گل دستہ“ اسی طرح ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اضافت ختم کر کے ایک لفظ بنا دیتے ہیں۔ اس طرح میں نے گل آفتاب کی اضافت اڑائی اور اسے ون ورڈ بنانے کے لیے ”گلافتاب“ کا تجربہ کیا“ (۶)

ظفر اقبال کی ”گلافتاب“ کے ون ورڈ بنانے کے تجربے کی وضاحت کے بعد کسی وضاحت کی گنجائش تو نہیں رہتی البتہ ”گلافتاب“ کا عنوان اپنے پیرایے میں ایک طرح کا اچھوتا پن لیے دکھائی دیتا ہے اور معاذ بن میں یہ خیال آتا ہے کہ دو الفاظ کا یہ مجموعہ دراصل روایت اور جدت کا وہ حسین سنگم ہے کہ جس نے روایت کے گل ہائے نو بہ نو کو جدت کے آفتاب کی تب و تاب دے کر ”گلافتاب“ بنا دیا ہے۔

لیکن بات اسی پر بس نہیں ہوتی۔ طارق ہاشمی اسی پر مزید بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”گلافتاب“ لسانیات کی اصطلاح میں ایک PORTMENSEAU لفظ ہے جس میں دو الفاظ ترکیب بننے کے بجائے ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک نیا لفظ بناتے ہیں۔ (۷)

گلافتاب کے عنوان سے ذہن میں متعدد سوالات سر اٹھاتے ہیں سب سے پہلے تو یہ کہ اس لفظ کی تشکیل کی توجیہ ظفر اقبال کے نزدیک کیا ہے؟ صرف یہ حوالہ کہ فارسی میں لفظ کی اضافت ختم کر کے نیا لفظ تشکیل دے لیتے ہیں ایسی وضاحت نہیں جسے کافی سمجھا جائے کیونکہ ظفر اقبال جیسے شاعر کے نزدیک یہ صرف ایک ترکیب نہیں ہے بلکہ اس ترکیب میں یقیناً ایک ایسی معنویت پوشیدہ ہے جو ”گلافتاب“ کو گل آفتاب سے کچھ جدا بنا دیتی ہے۔ اگر لفظ آفتاب کا احاطہ کیا جائے تو ذہن میں روشنی کا وہ منبع آجاتا ہے جو ہر شے کے حسن و قبح کو باہم جدا کرتا ہے مگر اپنی ذات اور ضیا پاشیوں میں یکتا ہے اور خود کسی روشنی کا محتاج نہیں۔ اب اس آفتاب کے ساتھ اگر گل کو جوڑ دیا جائے تو اس سے مراد ایسا پھول ہے جو گل آفتاب ہے اور آفتاب کا گل ہونے کی بابت یہ پھول اپنی انفرادیت اور خوبصورتی میں یکتا ہے کیونکہ گل آفتاب ہے۔

اسی طرح اگر ”گلافتاب“ کی تشکیل کو ذہن میں رکھا جائے تو خیال آتا ہے کہ کیا اس ”گلافتاب“ میں آفتاب Light of Intellect یا Wisdom ہے جو عقل کے درتچے کھولتی چلی جاتی ہے اور اس روشنی کی ظاہری ہیبت ”گل“ ہے اور ”گل“ دراصل منطق و استدلال کی روشنی کو کشید کرتے ہوئے وہ اشعار ہیں جو ”گلافتاب“ میں جلوہ گرد کھائی دیتے ہیں۔

اسی طرح اگر ”گلافتاب“ میں ”آفتاب“ کو الہامی بصیرت کا منبع سمجھا جائے تو پھر ”گل“ اس بصیرت کا وہ نرم و نازک وجود ہے جو اپنی نزاکت اور حسن کے باوجود اپنی ذات میں عقل و عرفان کے بہت سے رنگوں اور روشنیوں کے سینے ہوئے ہے۔ اور یہ رنگ بھی ”گل“ کی مانند ایسے نازک اور لطیف ہیں کہ جنہیں عقل خود بھی بڑے لطیف مراحل سے گزر کر پاسکتی ہے اور جس کے بارے میں ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ

اک آفتاب اور ہے اس آفتاب میں (۸)

اسی طرح جب ہم ”گلافتاب“ کے اُن معنوں پر غور کرتے ہیں جو لسانیات کی اصطلاح سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں تو ایک اور مفہوم واضح ہوتا ہے ”گلافتاب“ کا لفظ دراصل لسانیات کی اصطلاح Portmanteau سے مطابقت رکھتا ہے جس کا ذکر طارق ہاشمی نے بھی کیا ہے۔

اب ”گلافتاب“ کو اس اصطلاح کے حوالے سے پرکھا جائے تو یہ اپنے پیرایے میں گل کی نزاکت، حسن، خوشبو اور رنگ بھی لیے ہوئے ہے اور آفتاب کی روشنی، حدت اور سب سے بڑھ کر ہر شے کی اصل کو پرکھنے اور اجالنے کا ہنر بھی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔ یوں گلافتاب کے اشعار میں حسن کی نزاکت بھی ہے رنگ بھی، جلووں کی تمازت بھی جذبوں کی حدت بھی اور زبان و بیان اور لفظوں کے مختلف رنگوں کی شدت بھی ہے۔

(ظفر اقبال کے لسانی تجربات کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے ”گلافتاب“ کے لسانی تجربات کا جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعد کے شعری مجموعوں میں انہی تجربات کا کوئی نہ کوئی رنگ ضرور موجود ہے یا انہی تجربات کی توسیع کی گئی ہے۔) ”گلافتاب“ میں ظفر اقبال نے لسانی حوالے سے متعدد تجربات کیے ہیں۔ انہوں نے پنجابی طرز پر تراکیب سازی بھی کی اور اضافت

کو ختم بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی دیسی زبان کے رنگ ہی کا اثر ہے کہ بعض الفاظ کا تلفظ بھی مقامی بولیوں کی طرح بدلا ہوا لہجہ لیے ہوئے ہے۔ ظفر اقبال نے اپنے لسانی تجربات میں الفاظ کی جمع مقامی طرز پر بنائی ہے عربی اور فارسی قواعد کے مطابق نہیں بنائی۔ اسی طرح انہوں نے لسانی تجربہ کرتے ہوئے نئے مصادر بھی بنائے ہیں۔ ”گلافتاب“ میں لسانی تجربات کے نئے ڈالنے نئے تجربات اور ذولسانی تجربات، تجرید زبان اور محسوسات کے نئے تجربات کے ساتھ ملتے ہیں۔ کچھ غزلیات میں روایتی مضامین اور روایتی انداز غزل کا شائبہ تو ہوتا ہے مگر اس روایت میں بھی حسن تخیل، الفاظ و تراکیب اور استعاروں کے پیرایے میں ایک طرح کی جدت پوشیدہ ہے۔

ظفر اقبال نے ”گلافتاب“ میں روش عام سے ہٹ کر لسان، زبان، نئی غزل، نئی معنویت اور گرامر کی تبدیلی کے علاوہ سیدھے سادھے شعر لکھنے کے بجائے اس میں اپنی طرف سے بھی کچھ کچی ڈالنے کا جو رنگ اپنایا ہے ان کے اشعار میں اس کے اشارے ملتے ہیں:

سیدھے سیدھے شعر کہتے سب کو خوش آتے ظفر
کیا کیا جائے کہ اپنی عقل میں افور تھا

مطلع میں ظفر کو روکتا کون
اچھا کو جو باندھ لیتے اچھا

معنی کے بلے سے نکلا تو میں
گرامر کی دلدل میں دھنتا رہا

نقاد کہنے پر اثر شعروں ہے یہ
پڑھ کر غزل غریب کا بھیجا الٹ گیا

ظفر اقبال نے بعض اشعار میں اردو کے مروجہ تلفظ کے بجائے پنجابی زبان کے زیر اثر غزلیات میں تلفظ کی تبدیلی کی ہے۔
درج ذیل غزل میں یہ تبدیلی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے:

جڑا آرزو نے بڑے جو کھموں
عمارت نئی میں پرانا پتھر
بدن بوند جب تک چمکتی رہی

مسہری سے باہر نہ نکلا مچھر

میں اُس کیفیت کو نہیں جانتا
مجھے تیسری بار آیا صبر

بہت خون میں سنسناتا پھرا
چکا چوندا چونچال کالا کفر

ظفر اقبال کی وہ غزلیات جن میں لسانی تجربات اور تشکیلات کے نو بہ نورنگ موجود ہیں، انہی میں سے ایک رنگ خود ساختہ زبان کی تشکیل کا رنگ بھی محسوس ہوتا ہے، اس حوالے سے ایک تجربہ وارد کے الفاظ کو پنجابی کے قالب میں ڈھال کر نئے مصادر کی تشکیل کا عمل ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے الفاظ کے مروجہ مطالب کے علاوہ نئے مفہوم پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے اس کے علاوہ ان غزلیات میں کچھ اور اشارات بھی پوشیدہ ہیں:

چمک چکانے شب شیرنے کے
مزے محکم الف انجیرنے کے

لہولہلوٹ سیاہی پھیلوں پھب
کڈھب کاغذ طلب تحریر نے کے

گرج گڑگڑ گھٹا، بن باس بجلی
جھپٹ جھٹ پٹ جھلس تحریر نے کے

سبز درخت سُرخ سکھ سیب، جھلس
چڑھن چکھ، چیرنے کشمیر نے کے
مہورت ماجرا، منظر، مناظر
جسم دیواروں تصویر نے کے

درج ذیل غزل میں بھی لسانی تجربات کا رنگ بڑا واضح ہے:

دلدر درمیاں دلدارنے کا
تلخ تنہا الف انکارنے کا

کھڑے کھیتاں رڑے ریتاں تناظر
سبز سورج سراب اطوارنے کا

کھڑک کھڑکا، دھڑک دھڑکا اہرپل
مزہ مدہم پریشاں پیارنے کا

کڑک بجلی، بھڑک شعلہ، دھڑک دھوپ
بدن بادل، اند کہسارنے کا

فردوں تر فاصلہ راتوں براتوں
الٹ پلٹا اثر اصرارنے کا

گھڑی گھنگھور، چپ جادو جدائی
متن مجبورنے مختارنے کا

امشکل پیروی انجان ایجاد
مگن میٹھد عجب اشعارنے کا

ظفر بے انت بڑباتاں بنگلڑ
بطن بے کارنے بے چارنے کا

ان اشعار میں ظفر اقبال نے نئے مصادر کے ساتھ ساتھ بعض مصرعوں میں دو دو الفاظ کے جوڑے بناتے ہوئے پہلے لفظ کی

نسبت سے بعد میں آنے والے لفظ کو اڈل الذکر کی صوت سے مماثل کرنے کی کوشش کی ہے یا پہلے کی نسبت سے بعد میں آنے والے الفاظ کی اشکال اور اصوات میں شدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

انگریزی ادب میں ایک مصرعے یا ایک شعر میں ایک جیسی اصوات کی تکرار کا عمل "Alliteration" کہلاتا ہے۔ جس کی مثال Paradise Last سے پیش کی جاسکتی ہے۔

"For Man's First disobedience and the Fruit of that
forbidden tree....." (۹)

اس مثال میں "Fa" کی ساؤنڈ سے شاعر نے ایک سحر کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور اس کے علاوہ وہ الفاظ جو "Fa" کی "Sound" لیے ہوئے ہیں اپنے اندر وحدت اظہار کا رنگ بھی سمیٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ظفر اقبال نے "آب رواں" میں "سونی، سلگتی، سوچتی، سنسان سی سڑک" کے پیرایے میں ایک ہی مصرعے میں "س" کی نسبت پانچ اصوات اور ان اصوات کی پانچ اشکال کی منظر کشی پیش کرتے ہوئے ہر لفظ کے معنی کا باہم تسلسل قائم رکھتے ہوئے "سڑک" کے جملہ خواص کو بڑی شدت سے واضح کیا ہے۔

بے شک وہ آوازیں جن میں باہم کچھ ربط ہو یا وہ باہم مل کر ربط پیدا کر سکیں، موسیقی کی ایک فارم ہیں لیکن اگر وہ ربط مبہم یا ناکمل ہے تو محض شور ہے۔ ظفر اقبال نے مذکورہ بالا غزلیات میں ایک لفظ کی نسبت سے دوسرا لفظ لاتے ہوئے الفاظ کے جوڑے بنائے ہیں، کچھ مصرعوں میں یہ اصوات ایک مکمل تاثر کی حامل اور ایک تسلسل بیاں کا اظہار ہیں مگر بعض مقامات پر ظفر اقبال نے لسانی تجربات کے ذریعے اپنے من پسند مصادر سے مفہوم کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

مثلاً چمک کی نسبت سے چکارنے کا مصدر بظاہر چمک کو فزوں تر کرنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے مگر اردو زبان میں چکارنے کا وہ مطلب نہیں ہے جو چمک چکارنے سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ خالصتاً ظفر اقبال کی ذاتی اختراع ہے۔ اسی طرح لہو کے ساتھ لہلوٹ کا استعمال لہولہان کے معنوں میں کیا گیا ہے لیکن پنجابی زبان کی پیوند کاری سے لہو کے ساتھ لہلوٹ کے استعمال سے ظفر اقبال نے زبان کو نئے تجربے سے دوچار کیا ہے۔ اسی طرح کڈھب کی نسبت سے کاغذ کے استعمال سے صوتی رشتہ استوار کیا ہے۔ گرج کے ساتھ گڑ گڑاہٹ کی گڑ گڑ اور گھٹا ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ دوسرے مصرعے میں "تحریر نے کے" کا استعمال پٹھوہاری لہجے کی معنویت سے ہمکنار کرتا ہے۔

البتہ دوسری غزل میں دلدار اور دلدار نے کا بظاہر ربط، صنعت تجنیس کا ہے۔ اور وقتی طور پر دلدار کو دلدار نے کی توجیہ سبھی کی نہیں دیتی۔ لیکن یہ سرشت آدم ہے کہ مصائب کو پسند کرتا ہے اور یوں محبوب بنا لیتا ہے کہ

آلام روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اُسے غم جاناں بنا دیا

غور کیا جائے تو زندگی خود محبت، جدائی، انتظار، حسرتوں اور تمنائوں کے دلدار کو تاحیات یوں پالتی ہے کہ ”دلدار نے“ کی تلخی اکیلے الف سے ”انکار نے“ کی جرات نہیں ہوتی۔ کھڑے کھیتاں، رڑے ریتاں، کھڑک کھڑکا اور دھڑک دھڑکا، کڑک بچلی، بھڑک شعلہ، دھڑک دھوپ ایک کی نسبت سے دوسرے کی صفت کو اجاگر کرتے ہوئے معنویت میں شدت پیدا کرتے ہیں اور معنوی تاثیر کو دو چند کرتے ہیں: ظفر اقبال کا درج ذیل شعر

امشکل پیروی انجان ایجاد
مگن میٹھڈ عجب اشعار نے کا

ظفر اقبال کی لسانی تھکیلات اور تجربات کو توجیہ فراہم کرتا ہے۔ ظفر اقبال نے اضافت کے حوالے سے جو تجربات کیے ہیں اس میں ”الف“ کو ختم کر کے بھی یہ تجربہ کیا ہے اور بعض الفاظ کے ساتھ ”الف“ کا اضافہ کرتے ہوئے اس تجربے سے روشناس کروایا ہے۔

شاعری میں تجربات یقیناً ایک شاعر کے ذوق جمال اور قوت خیال کی عکاسی کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جس مقام پر اردو کے عام اور مروجہ اسلوب سے معنویت اور خیال کا تسلسل قائم رہ سکتا ہے اور مطلب بخوبی سمجھ آ سکتا ہے وہاں ایسے تجربات سے لفظ کو بدل کر رکھ دینا یا اس کی ہیئت تبدیل کر دینا چہ معنی دارد؟ اس حوالے سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاعر نے بلا ضرورت لسانی تجربے سے کام لیا ہے البتہ ایسی کوشش قدیم لہجے یا علاقائی رنگ اجاگر کرنے کی ایک کوشش ضرور ہے۔ طارق ہاشمی نے اظہار الحق کا حوالہ دیتے ہوئے ظفر اقبال کی غزل کا متن اور محمد اظہار الحق کے مجوزہ متن دونوں درج کیے ہیں: ”گلافتاب“ کی غزل کا متن درج ذیل ہے:

سورج دریا میں گر رہیا تھا
میں دور سے چھپ کے دیکھتا تھا

پیڑوں پر ہوئی تھی برفباری
پتھرا پہاڑ بچ رہیا تھا

بادل اسیاہ سر زمیں پر
بجلی ادرخت سا اگیا تھا

مچھلی باہر گئی ہوئی تھی

پانی امکان بے صدا تھا

افراقی مچی ہوئی تھی
خوشبو اجراغ بجھ گیا تھا

اندھی تھیں انتظار آنکھیں
ساون میں ہر طرف ہریا تھا

سر میں تلوار سی چلی تھی
سینے پر پھول سا کھلیا تھا

دیدار انامہ بر کبوتر
آنکھوں کے گھر مرا پڑا تھا

ترمیم متن بزبان محمد اظہار الحق کچھ یوں ہے:

سورج دریا میں گر رہا تھا
میں دور سے چھپ کے دیکھتا تھا

پہڑوں پر ہوئی تھی برفباری
پتھر کا پہاڑ بچ رہا تھا

بادل کی سیاہ سرزمیں پر
بجلی کا درخت سا اگا تھا

مچلی باہر گئی ہوئی تھی
پانی کا مکان بے صدا تھا

افرا تفری مچی ہوئی تھی
خوشبو کا چراغ بجھ گیا تھا

اندھی تھیں انتظار آکھیں
ساون میں ہر طرف ہرا تھا

سر میں تلوار سی چلی تھی
سینے پر پھول سا کھلا تھا

دیدار کا نامہ بر کبوتر
آنکھوں کے گھر مرا پڑا تھا (۱۰)

”گلافتاب“ کے دوسرے ایڈیشن میں محمد انظہار الحق کا تجویز کردہ متن ہو بہو موجود ہے۔ کلیات جلد اول میں بھی مذکورہ بالا غزل کا متن دوسرے ایڈیشن اور محمد انظہار الحق کے مجوزہ متن کے مطابق ہے۔ اس حوالے سے محمد انظہار الحق کہتے ہیں:

”میرے پاس اگر وقت ہوتا اور ہمت ہوتی تو ”گلافتاب“ کی از سر نو کتابت کرتا اور جہاں جہاں

نیا چولہ غرابت دکھا رہا ہے وہاں وہاں پرانا پیراہن فٹ کرتا۔“ (۱۱)

بعض اشعار میں ظفر اقبال نے شعر کا وزن بحال رکھنے کے لیے ”الف“ کا اضافہ شروع میں کیا ہے۔ لسانی تجربات و

تفکیرات کے حوالے سے تو یہ ایک منفرد انداز ضرور ہے لیکن درحقیقت یہ تجربہ خود ساختہ زبان شکنی کے ہی ضمنے میں داخل ہے:

سیدے سیدھے شعر کہتے، سب کو خوش آتے ظفر
کیا کیا جائے کہ اپنی عقل میں افتور تھا

نم نشیں تھی سرمی سلوٹ کی سنگ آمیز سطح
ایک فٹ کے فاصلے پر دو سفید اگلاب تھے

فتور کی جگہ افتور اور دوسرے شعر میں گلاب کی جگہ اگلاب شعری اوزان برقرار رکھنے میں تومدومعاون ہو سکتا ہے لیکن صحت زبان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور خود ساختہ زبان کی تشکیل کی ایک کوشش ہیں۔

ظفر اقبال کی ”گلاب“ میں شامل لسانی تشکیلات اور تجربات پر پنجابی زبان کے لہجے ’تلفظ‘ انداز گفتگو اور بول چال کی مروجہ زبان کے اثرات بھی بخوبی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ”گلاب“ میں شامل ان کی غزل ”اور بھی ڈرتھا کوئی خوف خداؤں بغیر“ میں توانی میں پنجابی لہجے اور انداز گفتگو کی واضح جھلک ملتی ہے۔ جس میں اضافت توانی میں پوشیدہ ہے اسی طرح اس غزل میں مقطع میں ”رکھ“ کے ساتھ ”ھ“ کا اضافہ کر کے یعنی رے سے پہلے ”ھ“ کو جوڑ کر ”ہرکھ“ بنا دیا گیا ہے۔

شعر صرف ایک خیال نہیں ہوتا بلکہ زبان، ندرت خیال، علامت و رموز اور لفظ کے بر محل استعمال کے امتزاج سے تخلیق پاتا ہے۔ ظفر اقبال نے شاعری میں لفظ کے غیر معمولی استعمال پر بطور خاص توجہ دی ہے، ظفر اقبال نے جو لفظ روش عام سے ہٹ کر استعمال کیے وہ محض نئے اور اچھوتے الفاظ یا پنجابی اور علاقائی لہجوں کے غماز ہی نہیں بلکہ وہ اپنی اکائی میں ایک خاص پس منظر سے معنویت کے حامل ہیں۔

ظفر اقبال نے بحث طلب غزل میں مروجہ تراکیب کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اردو تراکیب میں پنجابی کی پیوند کاری کرتے ہوئے خوف خدا، آب فنا، نقش نوا، دست دعا، سنگ سزا، صبح صدا کو خوف خداؤں، آب فناؤں، نقش نواؤں، دست دعاؤں، سنگ سزاؤں، صبح صداؤں کا استعمال کرتے ہوئے صرف صیغہ جمع کا تاثر نہیں دیا بلکہ درحقیقت یہ پنجابی زبان کے انداز گفتگو کے مطابق غیوں بمعنی غیب سے آسمانوں (آسمان کی طرف سے) رٹوں، سببوں کے الفاظ کی مانند سزاؤں، خداؤں، نواؤں وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جو اپنی معنویت میں اضافت کو سمیٹنے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے اس غزل کو دیکھیں تو ان تجربات سے ظفر اقبال کی زبان پر دسترس کے اور رنگ نکھرنے لگتے ہیں:

اور بھی ڈرتھا کوئی خوف خداؤں بغیر
پیاس بدن کی بھیجی آب فناؤں بغیر

گوہر اختر ملا بحر فلک سے مجھے
دست دعاؤں بغیر نقش نواؤں بغیر

بجھے الجھنے لگا منظر خوں اس طرح
خواب سے جاگا ہوں میں صبح صداؤں بغیر

سر میں اڑی جا بجا گرم گناہوں کی گرد
پھول کھلا زخم کا سنگ سزاؤں بغیر

شور مچاتی ہوئی آندھیاں اندر ظفر
لرزش برگ خزاں ہرکھ ہواؤں بغیر

اسی طرح ظفر اقبال نے توانی میں صرف لسانی تجربات کے عمل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نئے الفاظ اور مصادر ہی نہیں بنائے بلکہ رعایت لفظی سے کام لیتے ہوئے ذومعنی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ البتہ قافیہ پیمائی کے ساتھ ساتھ کچھ الفاظ کا تلفظ بدل کر رکھ دیا ہے درج ذیل غزل اس کی واضح مثال ہے:

جسے ڈوبنا تھا اُسے تار گیا
وہ دشمن تھا کون اس کی مت مار گیا

جنگل جھاڑ جھنکار تن توڑ پھوڑ
الف انگ اسوار تنہا گیا

وہیں ہو گیا ہور کا ہور وہ
جو اندروں نکل کے ذرا باہر گیا

پس و پیش دائم لک لہر بہر
کہ ایسا آیا تو ویسا گیا

مرن مہلتاں دینے والار سی
زلف زندگی ہور الجھار گیا

ان توانی میں تنہا اور ویسا محض توانی کے مخصوص ردھم اور مطالب یعنی ”تنہا ہی“ اور ”ویسا ہی“ یا ”اُسی طرح ہی“ کے معنوں کے ساتھ ساتھ تن ہا یعنی تن کو ہا گیا اور اسی طرح ”ایسا آیا تو ویسا گیا“ میں ”سار“ بمعنی خبر کے بھی استعمال ہوا ہے البتہ تنہا تار مار ویسا الجھار کے وزن سے باہر کا وزن جدا ہے۔

ظفر اقبال کی بعض غزلیات پنجابی کے ٹھیٹھ الفاظ کے استعمال کے باوجود مضامین خیال میں انفرادیت اور اچھوتی معنویت لیے ہوئے ہیں جیسے کہ درج ذیل غزل کی بہت ترکیبی اردو زبان کی غزل سے دور اور پنجابی اسلوب غزل سے قریب محسوس ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ قوانی بھی پنجابی تلفظ کے آئینہ دار ہیں:

راکھ سراب سیہہ جنگلاں میں پیاسا نام نشاں کا
پھرتا تھا اک واء ورولا کچی کچی تھان کا
سکھ سریر بجے دن راتیں دم زنجیر پرانی
بوہے کھول کے بیٹھے ظفر انا تک ناتھ جہاں کا

ان اشارات اور دیسی الفاظ کو زبان سے شناسائی رکھنے والے لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان میں ایک مکمل ثقافت اور تہذیبی رچاؤ پوشیدہ ہے۔ ظفر اقبال کی ”گلافتاب“ کے اخیر میں شامل غزلیات صرف لسانی تجربات کے تحت پیچیدہ، مشکل ہندی، فارسی، بنگلہ، انگریزی اور پنجابی الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ان الفاظ کے استعمال میں تشبیہات اور تلمیحات کے ذریعے ظفر اقبال نے ان الفاظ کا جس تہذیب اور ثقافت سے تعلق ہے نہ صرف انہیں شاعری کا حصہ بنایا ہے بلکہ ان الفاظ کو جذبات سے، عام مشاہدے کی اشیاء سے، کیفیات اور حالات سے مربوط کر کے نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔

ظفر اقبال کا علاقہ چونکہ خود دریا سے قربت رکھتا ہے اور ظفر اقبال اپنے خاندانی پس منظر کے اعتبار سے ایک زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے دیہی علاقے کی ثقافت، ماحول، مخصوص علائم سے بخوبی واقف ہیں۔ ان علاقوں سے تعلق رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ موجوں کے تیز بہاؤ، کناروں کی ٹوٹ پھوٹ اور دریا کے کنارے پر موجود درختوں کی کمزوری و بے چارگی کا ہر رنگ کیسی کیسی کہانیاں لیے ہوئے ہے۔ یہ مشاہدات ان کی روزمرہ زندگی کے معمول کی مانند ہیں۔ ظفر اقبال نے بھی زندگی کے ایسے بے شمار مشاہدات کو شعر میں مخصوص الفاظ، مفہوم اور ثقافتی حوالے سے سمو کر دکھوں کی موجوں کے ہاتھوں حضرت انسان کی زندگی کے مدد و جزر کو بخوبی بیان کیا ہے:

بھکھ دریا لکار لھک رکھ روہر کدھی کم زوری
تن تیل و چکار ولک ان موج مہار اٹھے

اس شعر میں الفاظ بذات خود تمثیل اور تشبیہ کے پیرایے میں دنیا میں انسان کی بے بسی اور درپیش مصائب کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس میں گہرے سماجی شعور کا اظہار ہے۔ مزید برآں لسانی تجربات ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں آہنگ کا حیران کن تجربہ ہے جس کی روانی اور نغسگی، شعر کو صرف اور صرف پنجابی لہجے میں پڑھنے سے سامنے آتی ہے۔ دراصل ظفر اقبال نے ”گلافتاب“ کے آخر میں شامل ان غزلیات میں بیک وقت بہت سے تجربات کرتے ہوئے مختلف زبانوں اور پھر ان زبانوں کے حوالے سے ثقافتی حوالوں کو یکجا کر دیا ہے۔ یہ تجربہ درائی اور جدت کے اعتبار سے قابل تحسین ہے مگر ایک عام قاری کے لیے اس کی تفہیم آسان نہیں

کیونکہ ہر شخص بیک وقت ظفر اقبال کی جدت تخیل اور مختلف زبانوں سے شناسائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ایسا ہفت زبان خواں قاری ملنا آسان نہیں۔

ظفر اقبال نے تجربہ تو خوب کیا ہے مگر اپنے اور قاری کے درمیان فاصلہ بڑھا دیا ہے۔ شعر کا کمال یہ ہے کہ جو اپنی تاثیر سے دل بھی موہ لے اور حسن بھی پیدا کرے، دل وہی موہ لیتا ہے جس کا مفہوم دل پہ اثر کرتا ہے۔ اگر مفہوم سمجھنے میں ہی ذہن الجھ کر رہ جائے اور زبان کے چہستان میں قاری گم ہو جائے تو حسن تخیل کی ڈور کیسے ہاتھ میں آئے! ظفر اقبال کے مذکورہ بالا شعر سے ذہن میں فارسی کے شاعر خواجہ حافظ کا شعر آجاتا ہے۔

شب تاریک و بیم موج، گردا بے چینیں حائل
کجا داند حال ماسک ساران ساحل ہا

اس شعر کا ترجمہ حافظ جھنڈا نے کیا خوب کیا ہے:

رات اندھیری، گھسن گھیری، دریا پیاٹھاٹھاں مارے
ادہ کی حال اس اڈاجانن جیہڑے وسدے ندی کنارے

خواجہ حافظ کے شعر کے ترجمے کے بعد ظفر اقبال کا یہ شعر دوبارہ پڑھیں تو مزہ دو بالا ہو جاتا ہے۔

بھکھ دریا لکار لشک رکھ روڑ کدھی کمزوری
تن تیتلا وچکار و لک ان موج مہار اٹھے

اسی طرح بعض اشعار میں ظفر اقبال نے زبان کے ایک رنگ، ایک ثقافت میں اظہار خیال کرتے کرتے معاً الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ثقافت کا بھی کوئی حوالہ سمیٹا ہے۔ اسے Quantum Jump ہی کہہ سکتے ہیں یعنی ایسی جست جو بیچ کی منازل کو چھوڑتی ہوئی عمل میں آئے۔ (۱۲) جو ایک عالی دماغ شاعر کی اعلیٰ کاوش تو ہے مگر اس کی تفہیم کے لیے قاری کو بھی اسی Quantum Jump کی ضرورت ہے جو ہر کسی کے بس کا روگ نہیں، دوسری صورت میں اس کی تفہیم کے لیے لغت کی ضرورت ہے درج ذیل اشعار ایسی ہی مثال ہیں۔

پچھ پرتیت لک لکلیلی آپنی کیمن آچھن
سانول سانجھ اوائل اک مک دم دم دور بلائیں
زرد جنگل مڈھ کھڑ کھڑ ہسن نیچر فصل قرآن
دانے دانے مہر معصیت خلوت خواب خدائیں

بیک وقت ان اشعار میں تین چار کوششوں، ثقافتی رنگوں، زبانوں کے ذائقوں، لفظوں کی بھارتوں کو بخوبی نبھایا ہے جو یقیناً ایک مشکل کام ہے۔ ان اشعار کا لہجہ بھی پنجابی کی لوک شاعری کے اثرات کا برملا اظہار کر رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ان

اشعار میں مختلف زبانوں کی بدولت ایک ”متعجب“ سا تیار کر دیا ہے جسے پڑھ کر متنوع لغات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔
 ”گلاب“ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۶ء اور دوسرا ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ پہلے ایڈیشن میں شامل بہت سے تجربات کو دوسرے ایڈیشن میں بدل دیا گیا ہے۔ لسانی جکڑ بند کو ڈھیلا کرنے کی یہ راہ ظفر اقبال نے اس لیے اپنائی کہ اس کے بیشتر مقاصد حاصل کیے جا چکے ہیں، مثلاً باقی معاملات کو جوں کا توں رکھتے ہوئے جہاں پنجابی کی جگہ اردو افعال کو بحال کیا ہے وہاں کا، کے، کی بجائے الف کے استعمال کو ترک کر دیا گیا ہے۔ (۱۳)

”گلاب“ طبع اول کے بعد طبع دوم میں جو لسانی تجربات کیے گئے ہیں اور لسانی جکڑ بند کو ڈھیلا (۱۴) کرنے کی جو روش اپنائی گئی تھی وہ کلیات کی جلد اول میں بھی بعینہ موجود ہے۔ غالباً ظفر اقبال نے ان لسانی تشکیلات اور تجربات کے ذریعے جو پیغام دینا تھا وہ پورا ہو گیا یا انہوں نے ان تجربات اور نئے الفاظ اور گرامر کی تبدیلیوں سے زبان ٹھکنی اور زبان سازی کا فرق واضح کر کے ایک نئی راہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے اسے ظفر اقبال کی دلیرانہ کاوش قرار دیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان لسانی تجربات و تشکیلات کے ذریعے ظفر اقبال نے زبان محاورے اور گرامر کی روایتی پابندیوں سے گریز اختیار کیا لیکن ان کی یہ سیکم زیادہ دیران کا ساتھ نہ دے سکی۔ (۱۵)

بے شک ظفر اقبال نے ”گلاب“ میں کیے گئے لسانی تجربات اور زبان ٹھکنی زبان سازی کے تجربات کو بعینہ اس کے بعد نہیں دہرایا لیکن ظفر اقبال ان شعرا میں سے ہیں جنہوں نے شیر افضل جعفری کی طرح صرف ”لہندے کے لہجے“ کے لال لال گلابوں سے ہی سانولی اردو کو سرخ رو نہیں کیا بلکہ ابن انشاء کے شعر کے مصداق۔

کس واسطے ٹھیٹ بنے رہیے زرارنگ بدل کے غزل کہیے

یہ جو اردو زبان ہماری ہے سورنگ ہیں اس کے دامن میں

کے پیرایے میں اردو زبان کو ایک جو ہڑ بننے سے بچانے کے لیے (۱۶) جدت، روایت، زبان و بیباں کے تجربات سے ہمکنار کرتے ہوئے ”گلاب“ کے بعد اب تک کی گئی شاعری میں دیگر علاقائی رنگوں اور زبان کے ذائقوں سے لسانی تجربات کیے ہیں۔ ظفر اقبال نے ہر طرح کے تجربات کرتے ہوئے ”گلاب“ میں بالخصوص اور دیگر شعری مجموعوں میں بالعموم زبان، ہیئت، اسلوب، نئے لسانی پیکر کی دریافت اور نئے توانی اور مصادر سے، ایک نیا شعری آہنگ تو پیدا کیا لیکن اضافت کے تجربات، الف کے اضافے سے نئے لفظوں کی تشکیل اور گرامر کی تبدیلی نئے پیرایہ اظہار کی تلاش اور اردو کو علاقائی زبانوں کے لہجوں اور لفظوں کے ملاپ سے نئی زبان کی تشکیل کے اس عمل سے ظفر اقبال نے انفرادیت تو خوب پیدا کی اور مختلف زبانوں سے اپنی شناسائی کا عندیہ بھی دیا۔ لیکن زبانوں کے اس تال میل سے شعر کو پیچیدہ بھی بنا دیا ہے۔

حوالہ جات

- ۱ - ظفر اقبال، ”گلافتاب“ (فلیپ) مشمولہ ”اب تک“، کلیات غزل (جلد اول)، از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انصیر، لاہور، باراول، ۲۰۰۳ء، ص ۲۸۵
- ۲ - ایضاً
- ۳ - عبدالرشید، ”نئے ذائقوں کے زخم“ (مضمون) مشمولہ ”اب تک“، کلیات غزل (جلد دوم) از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انصیر، لاہور، باراول، ۲۰۰۵ء، ص ۹۱۰
- ۴ - سید عامر سہیل، ”گفتگو“، ظفر اقبال کے ساتھ، مشمولہ ”انگارے“ (ظفر اقبال نمبر) گل گشت، ملتان، بار چہارم، ۲۰۰۶ء، ص ۱۷
- ۵ - ظفر اقبال، ”گلافتاب“ (فلیپ) مشمولہ ”اب تک“، کلیات غزل (جلد اول) از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انصیر، لاہور، باراول، ۲۰۰۳ء، ص ۲۸۵
- ۶ - سمیرا کلیم، ”ظفر اقبال - ایک عہد، ایک روایت“، (مضمون) مشمولہ ”انگارے“ (ظفر اقبال نمبر) گل گشت کالونی، ملتان، بار چہارم، ۲۰۰۶ء، ص ۹۷
- ۷ - طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ”اردو غزل - نئی تشکیل“، پبلسٹک بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، باراول، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۷
- ۸ - بنیاد نقوی، ”فصیل ذات“، سنگ میل پبلی کیشنز، باراول، ۱۹۷۷ء، ص ۴۰
- ۹ - John Milton "Paradise Lost", New Kitab Mahal, Book One, Page 1
- ۱۰ - طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ”اردو غزل - نئی تشکیل“، پبلسٹک بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، باراول، ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۳-۱۸۴
- ۱۱ - ایضاً، ص ۱۸۳
- ۱۲ - فاروقی، شمس الرحمن، ”طبع رواں“، منظر معنی اور بے شمار امکان“ (دیباچہ) ”اب تک“، کلیات غزل (جلد اول) ملٹی میڈیا انصیر، لاہور، باراول، ۲۰۰۴ء، ص ۴۶
- ۱۳ - ظفر اقبال، ”گلافتاب“ (فلیپ) مشمولہ ”اب تک“، کلیات غزل“ (جلد اول) از ظفر اقبال، ملٹی میڈیا انصیر، لاہور، جلد اول، ۲۰۰۳ء، ص ۲۸۵
- ۱۴ - ایضاً
- ۱۵ - سعادت سعید، ”پاکستانی اردو غزل - ایک اجمالی تعارف“، (مضمون) مشمولہ ”اردو غزل“، مرتبہ ڈاکٹر کامل قریشی، پروگریسو بکس، لاہور، باراول، ۱۹۸۹ء، ص ۲۹۹
- ۱۶ - طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ”اردو غزل - نئی تشکیل“، پبلسٹک بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، باراول، ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۷